کائنات
خدا کی گواہی دیتی ہے

عرصہ ہوا کیرالا کے عیسائی مشن نے ایک کتابچہ شائع کیا تھا جس کا نام تھا :

(MARME AND SCIENCE SPEAK ABOUT GOD)

اس باب کے عنوان کے لئے میں سمجھتا ہوں کہ یہ الفاظ موزوں ترین ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ خدا کا سب سے بڑا ثبوت اس کی وہ مخلوق ہے جو ہمارے سامنے موجود ہے۔ فطرت اور اس کے بارے میں ہمارا بہترین علم پکار رہا ہے کہ بیشک اس دنیا کا ایک خدا ہے۔ اس کے بغیر ہم کائنات کو اور اپنے آپ کو سمجھ نہیں سکتے۔

کائنات کی موجودگی، اس کے اندر حیرت انگیز تنظیم اور اس کی انتہاہ معنویت کی اس کے سوا کوئی توجیہہ نہیں ہو سکتی کہ اس کو کسی نے بنایا ہے۔ اور یہ بنانے والا ایک لامحدود ذہن ہے۔ نہ کوئی اندھی طاقت۔

فلسفیوں میں سے ایک گروہ، نہایت مختصر گروہ ایسا ہے جو کسی قسم کے وجود ہی میں شک کرتا ہے۔ اس کے نزدیک نہ یہاں کوئی انسان ہے اور نہ کوئی کائنات۔ بس ایک عدم محض ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ اگر اس نقطۂ نظر کو صحیح مان لیا جائے تو یقیناً خدا کا وجود مشتبہ ہو جاتا ہے۔ لیکن جیسے ہی ہم کائنات کو مانتے ہیں، ہمارے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم خدا کو مانیں۔ کیونکہ عدم سے وجود کا پیدا ہونا ایک ناقابل قیاس بات ہے۔

جہاں تک اس مخصوص قسم کی تشکیک اور لاادریت کا تعلق ہے، وہ ایک فلسفیانہ نکتہ تو ہو سکتا ہے، مگر اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ جب ہم سوچتے ہیں، تو ہمارا سوچنا خود اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ ہمارا کوئی وجود ہے۔ جب راستہ چلتے ہوئے کسی پتھر سے ٹکراتے ہیں۔ اور ہمیں تکلیف ستانے لگتی ہے۔ تو یہ واقعہ اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ ہمارے باہر کوئی دنیا ہے، جس کا اپنا وجود ہے۔

اسی طرح ہمارا ذہن اور ہمارے تمام حواس ہر آن بے شمار چیزوں کو محسوس کرتے ہیں۔ اور یہ علم و احساس ہر شخص کے لئے اس بات کا ایک ذاتی ثبوت ہے کہ وہ ایک ایسی دنیا میں ہے جو واقعی طور پر اپنا وجود رکھتی ہے۔ اب اگر کسی کا فلسفیانہ تفکر اس کے لئے دنیا کے وجود کو مشتبہ کر دیتا ہے۔ تو یہ ایک ایسی مستثنیٰ حالت ہے جو کروڑوں انسانوں کے تجربات سے غیر متعلق ہے۔ ایسے شخص کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی مخصوص قسم کی ذہنی فضا میں گم ہو گیا ہے۔ یہاں تک کہ اپنے آپ سے بھی بے خبر ہو گیا ہے۔

اگرچہ کائنات کا موجود نہ ہونا بذات خود اس بات کا کوئی لازمی ثبوت نہیں ہے۔ کہ خدا بھی موجود نہ ہو۔ تاہم اپنی انتہائی لغویت کے باوجود یہی ایک نقطۂ نظر ہے، جس کے لئے خدا کا وجود مشتبہ ہو سکتا ہے۔ مگر یہ نقطۂ نظر خود اتنا بے معنی ہے کہ آج تک نہ تو عام انسانوں کے لئے وہ قابل فہم ہو سکا۔ اور نہ علمی دنیا میں اسکو قبول عام حاصل ہوا ہے۔ عام انسان اور عام اہل علم بہر حال اس واقعہ کو تسلیم کرتے ہیں کہ ان کا اپنا ایک وجود ہے۔ اور کائنات بھی اپنا ایک وجود رکھتی ہے۔ سارے علوم اور زندگی کی تمام سرگرمیاں اسی علم و یقین کی بنیاد پر قائم ہیں۔

پھر جب ایک کائنات ہے تو لازماً اس کا ایک خدا ہونا چاہئے۔ یہ بالکل بے معنی بات ہے۔ ہم مخلوق کو مانیں مگر خالق کا وجود تسلیم نہ کریں۔ ہمیں کسی بھی ایسی چیز کا علم نہیں جو پیدا کئے بغیر وجود میں آگئی ہو۔ ہر چھوٹی بڑی چیز لازمی طور پر اپنا ایک سبب رکھتی ہے۔ پھر اتنی بڑی کائنات کے بارے میں کیسے یہ یقین کیا جا سکتا ہے۔ کہ وہ یونہی وجود میں آگئی۔ اس کا کوئی خالق نہیں۔

جان اسٹوارٹ مل (STUART MILL) نے اپنی آٹو بیاگرافی میں لکھا ہے کہ میرے باپ نے مجھے یہ سبق دیا کہ یہ سوال کہ کس نے مجھے پیدا کیا (WHO MADE ME) خدا کے اثبات کے لئے کافی نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے بعد فوراً دوسرا سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا کو کس نے پیدا کیا (WHO MADE GOD) چنانچہ برٹرینڈ رسل نے بھی اسی اعتراض کو تسلیم کرتے ہوئے محرک اول کے استدلال کو رد کر دیا ہے۔

THE AGE OF ANALYSIS BY MORTON WHITE 21-22.

یہ منکرین خدا کا بہت پرانا استدلال ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کا اگر کوئی خالق مانیں تو اس خالق کو لازمی طور پر ازلی ماننا پڑے گا۔ پھر جب خدا کو ازلی ماننا ہے۔ تو کیوں نہ کائنات ہی کو ازلی مان لیا جائے۔ اگرچہ یہ بالکل بے معنی بات ہے۔ کیونکہ کائنات کی کوئی ایسی صفت ہمارے علم میں نہیں آئی ہے۔ جس کی بنا پر اسکو خود اپنا خالق فرض کیا جا سکے۔ تاہم انیسویں صدی تک منکرین کی اس دلیل میں ایک ظاہر

زیب حسن مزید موجود تھا۔ مگر اب حرکیات حرارت کے دوسرے قانون (Second Law of Thermodynamics) کے انکشاف کے بعد تو یہ دلیل بالکل بے بنیاد ثابت ہو چکی ہے۔

یہ قانون جسے ضابطہ ناکارگی (Law of Entropy) کہا جاتا ہے۔ ثابت کرتا ہے کہ کائنات ہمیشہ سے موجود نہیں ہو سکتی۔ ضابطہ ناکارگی بتاتا ہے کہ حرارت مسلسل با حرارت موجود سے بے حرارت وجود میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔ مگر اس چکر کو الٹا چلایا نہیں جا سکتا کہ خود بخود یہ حرارت کے وجود سے زیادہ حرارت کے وجود میں منتقل ہونے لگے۔ ناکارگی دستیاب توانائی (AVAILBLE ENERGY) اور غیر دستیاب توانائی (UN AVAILBLE ENERGY) کے درمیان تناسب کا نام ہے۔ اور اس بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کائنات کی ناکارگی برابر بڑھ رہی ہے۔ اور ایک وقت ایسا آنا مقدر ہے جب تمام موجودات کی حرارت یکساں ہو جائے گی اور کوئی کارآمد توانائی باقی نہ رہے گی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ کیمیائی اور طبعی عمل کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اور زندگی بھی اس کے ساتھ ختم ہو جائے گی۔ لیکن اس حقیقت کے پیش نظر کہ کیمیائی اور طبعی عمل جاری اور زندگی کے ہنگامے قائم ہیں۔ یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ کائنات ازل سے موجود نہیں ہے۔ ورنہ اخراج حرارت کے لازمی قانون کی وجہ سے اس کی توانائی کبھی کی ختم ہو چکی ہوتی۔ اور یہاں زندگی کی ہلکی سی رمق بھی موجود نہ ہوتی۔

اس جدید تحقیق کا حوالہ دیتے ہوئے ایک امریکی عالم حیوانات EDWARD LUTHER KESSEL لکھتا ہے:

> "اس طرح غیر ارادی طور پر سائنس کی تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ کائنات اپنا ایک آغاز (BEGINING) رکھتی ہے۔ اور ایسا کرتے ہوئے اس نے خدا کی صداقت کو ثابت کر دیا ہے۔ کیونکہ جو چیز اپنا ایک آغاز رکھتی ہو وہ اپنے آپ شروع نہیں ہو سکتی یقیناً وہ ایک محرک اول، ایک خالق، ایک خدا کی محتاج ہے۔"

THE EVIDENCE OF GOD. P-51

یہی بات سر جیمز جینز نے ان الفاظ میں کہی ہے:

> "موجودہ سائنس کا یہ خیال ہے کہ کائنات میں ناکارگی کا عمل (ENTROPY) ہمیشہ جاری رہے گا۔ یہاں تک کہ اس کی توانائی بالکل ختم ہو جائے، یہ ناکارگی ابھی اپنے آخری درجہ کو نہیں پہنچی ہے۔ اگر ایسا ہو گیا ہوتا تو ہم اس کے متعلق سوچنے کے لئے موجود نہ ہوتے یہ ناکارگی اس وقت بھی تیزی کے ساتھ بڑھ رہی ہے۔ اور اس بنا پر اس کا ایک آغاز ہونا

ضروری ہے۔ کائنات میں لازماً اس قسم کا کوئی عمل ہوا ہے۔ جسکو ہم ایک وقت خاص میں تخلیق (CREATION AT A TIME) کہہ سکتے ہیں۔ نہ یہ کہ وہ لامتناہی مدت سے موجود ہے۔"

THE MYSTERIOUS UNIVERSE P. P-133.

اس طرح کے اور بھی طبیعاتی شواہد ہیں جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ کائنات ازل سے موجود نہیں ہے۔ بلکہ وہ ایک محدود عمر رکھتی ہے۔ مثلاً فلکیات کا یہ مشاہدہ ہے کہ کائنات مسلسل پھیل رہی ہے۔ تمام کہکشاں اور فلکیاتی اجسام مشاہدہ میں نہایت تیزی کے ساتھ ایک دوسرے سے ہٹتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس صورت حال کی اس وقت، نہایت عمدہ توجیہہ ہو جاتی ہے۔ جب ہم ایک ایسے ابتدائی وقت کو تسلیم کرلیں۔ جب تمام اجزائے ترکیبی مجتمع اور مرکوز حالت میں تھے۔ اور اس کے بعد ان میں حرکت و توانائی کا آغاز ہوا۔ اس طرح کے مختلف قرائن کی بنا پر عام اندازہ یہ ہے کہ لگ بھگ پچاس کھرب سال پہلے ایک غیر معمولی دھماکے سے یہ سارا عالم وجود میں آیا۔ اب سائنس کی اس دریافت کو ماننا کہ کائنات محدود عمر رکھتی ہے اور اس کے موجد کو نہ ماننا، ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص یہ تو تسلیم کرے کہ تاج محل ہمیشہ سے موجود نہیں تھا۔ بلکہ سترھویں صدی عیسوی کے وسط میں بنا۔ مگر اس کے باوجود اس کا کوئی معمار اور انجنیئر تسلیم نہ کرے، اور کہے کہ وہ بس اپنے آپ ایک مخصوص تاریخ کو بن کر کھڑا ہو گیا ہے۔

فلکیات کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ دنیا کے تمام سمندروں کے کنارے ریت کے جتنے ذرے ہیں۔ شاید اسی قدر آسمان میں ستاروں کی تعداد ہے۔ ان میں کچھ ستارے ایسے ہیں جو زمین سے کسی قدر بڑے ہیں۔ مگر بیشتر ستارے اتنے بڑے ہیں کہ ان کے اندر لاکھوں زمینیں رکھی جا سکتی ہیں۔ اور پھر بھی کچھ بچ رہے گی۔ اور بعض ستارے تو اس قدر بڑے ہیں کہ اربوں زمینیں ان کے اندر سما سکتی ہیں۔ یہ کائنات اس قدر وسیع ہے کہ روشنی کی مانند ایک انتہائی ممکن حد تک تیز اڑنے والا ہوائی جہاز جس کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سکنڈ ہو، وہ کائنات کے گرد گھومے تو اس ہوائی جہاز کو کائنات کا پورا چکر لگانے میں تقریباً ایک ارب سال لگیں گے۔ پھر اتنی وسعت کے باوجود یہ کائنات ٹھہری ہوئی نہیں ہے۔ بلکہ ہر لمحہ اپنے چاروں طرف پھیل رہی ہے۔ اس پھیلنے کی رفتار اتنی تیز ہے کہ ہر ۱۳۰ کروڑ سال کے بعد کائنات کے تمام فاصلے دگنے ہو جاتے ہیں۔ اس طرح ہمارا یہ خیالی قسم کا غیر معمولی تیز رفتار ہوائی جہاز بھی کائنات کا چکر کبھی پورا نہیں کر سکتا، وہ ہمیشہ اس بڑھتی ہوئی کائنات کے راستہ میں رہے گا۔[1]

---

[1] یہ کائنات کی وسعت کے بارے میں آئنسٹائن کا نظریہ ہے۔ مگر یہ صرف ایک "ریاضی داں کا قیاس" ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان ابھی تک کائنات کی وسعت کو سمجھ نہیں سکا ہے۔

آسمان گرد و غبار سے پاک ہو تو پانچ ہزار ستارے خالی آنکھ سے دیکھے جا سکتے ہیں۔ لیکن معمولی دوربینوں کی مدد سے یہ تعداد بیس لاکھ سے زیادہ ہو جاتی ہے اور دنیا کی سب سے بڑی دوربین جو ماؤنٹ پیلومر پر لگی ہوئی ہے۔ اس سے اربوں ستارے نظر آتے ہیں۔ مگر یہ تعداد اصل تعداد کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ کائنات ایک بے انتہا وسیع خلا ہے جس میں لاتعداد ستارے غیر معمولی رفتار سے مسلسل حرکت کر رہے ہیں۔ کچھ ستارے تنہا سفر کر رہے ہیں۔ کوئی دو یا زیادہ ستاروں کے مجموعوں کی شکل میں ہیں، اور بے شمار ستارے ایسے ہیں جو مجامع النجوم کی صورت میں متحرک ہیں۔ روشن دان سے کمرے میں آنے والی روشنی کے اندر آپ نے بیشمار ذرے ادھر ادھر دوڑتے ہوئے دیکھے ہوں گے۔ اسی کو اگر آپ بہت بڑے پیمانے پر قیاس کر سکیں تو کائنات کے اندر ستاروں کی گردش کا آپ ہلکا سا اندازہ کر سکتے ہیں۔ اس فرق کے ساتھ کہ ذرے باہم ملے ہوئے حرکت کرتے ہیں اور ستارے تعداد کی اس کثرت کے باوجود بالکل یکہ و تنہا دوسرے ستاروں سے بے اندازہ فاصلے پر سرگرم سفر ہیں۔ جیسے وسیع سمندروں میں چند جہاز جو ایک دوسرے سے اتنی دوری پر چل رہے ہوں کہ انہیں ایک دوسرے کی خبر نہ ہو۔

یہ ساری کائنات ستاروں کے بیشمار جھرمٹوں کی صورت میں ہے۔ ہر جھرمٹ کو کہکشاں کہتے ہیں۔ اور یہ سب کے سب مسلسل حرکت میں ہیں۔ سب سے قریبی حرکت جس سے ہم واقف ہیں، وہ چاند ہے۔ چاند زمین سے دو لاکھ چالیس ہزار میل دور رہ کر اس کے گرد مسلسل اس طرح گھوم رہا ہے کہ ہر ۲۹½ دن میں زمین کے گرد اس کا ایک چکر پورا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ہماری زمین جو سورج سے ساڑھے نو کروڑ میل دور ہے۔ وہ اپنے محور پر ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گھومتی ہوئی سورج کے گرد انیس کروڑ میل کا دائرہ بناتی ہے جو ایک سال میں پورا ہوتا ہے۔ اسی طرح زمین سمیت نو سیارے ہیں۔ اور وہ سب کے سب سورج کے گرد مسلسل دوڑ رہے ہیں۔ ان سیاروں میں بعید ترین سیارہ پلوٹو ہے جو ساڑھے سات ارب میل کے دائرے میں چکر لگا رہا ہے۔ یہ تمام سیارے اپنے سفر میں اس طرح مصروف ہیں کہ ان کے گرد اکتیس چاند بھی اپنے اپنے سیاروں کے گرد گھوم رہے ہیں۔ ان کے علاوہ تیس ہزار چھوٹے سیاروں کا ایک حلقہ ہزاروں دمدار ستارے اور لاتعداد شہاب ثاقب ہیں۔ جو اسی طرح گردش میں مصروف ہیں۔ ان سب کے بیچ میں وہ ستارہ ہے جس کو ہم سورج کہتے ہیں اور جس کا قطر آٹھ لاکھ ۶۵ ہزار میل ہے۔ اور وہ زمین سے بارہ لاکھ گنا بڑا ہے۔

یہ سورج خود بھی رکا ہوا نہیں ہے۔ بلکہ اپنے تمام سیاروں اور سیارچوں کو لئے ہوئے ایک عظیم کہکشانی نظام کے اندر چھ لاکھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گردش کر رہا ہے۔ اسی طرح ہزاروں حرکت کرتے

ہوئے نظام ہیں، جن سے مل کر ایک کہکشاں وجود میں آتی ہے۔ کہکشاں گویا ایک بہت بڑی پلیٹ ہے۔ جس پر بیشمار ستارے منفرداً اور مجتمعاً لٹوؤں کی طرح مسلسل گھوم رہے ہیں۔ پھر یہ کہکشائیں خود بھی حرکت کرتی ہیں۔ چنانچہ وہ قریبی کہکشاں جس میں ہمارا شمسی نظام واقع ہے۔ وہ اپنے محور پر اس طرح گردش کر رہی ہے۔ کہ اس کا ایک دور بیس کروڑ سال میں پورا ہوتا ہے۔

علمائے فلکیات کے اندازے کے مطابق کائنات پانچ سو ملین ملین (ایک ملین برابر دس لاکھ کہکشاؤں پر مشتمل ہے۔ اور ہر کہکشاں میں ایک لاکھ ملین یا اس سے کم و بیش ستارے پائے جاتے ہیں۔ قریبی کہکشاں جس کے ایک حصے کو ہم رات کے وقت سفید دھاری کی شکل میں دیکھتے ہیں۔ اس کا رقبہ ایک لاکھ سال نور ہے۔ اور ہم زمین کے رہنے والے کہکشاں کے مرکز سے تیس ہزار نوری سال کے بقدر دور ہیں۔ پھر یہ کہکشاں ایک اور بڑی کہکشاں کا جزو ہے۔ جس میں اسی طرح کی کہکشائیں حرکت کر رہی ہیں۔ اور پورے مجموعہ کا قطر بیس لاکھ سال نور ہے۔

ان تمام گردشوں کے ساتھ ایک اور حرکت جاری ہے۔ اور وہ یہ کہ ساری کائنات غبارے کی طرح چاروں طرف پھیل رہی ہے۔ ہمارا سورج ہیبت ناک تیزی کے ساتھ چکر کھاتا گھومتا ہوا بارہ میل فی سکنڈ کی رفتار سے اپنی کہکشاں کے بیرونی حاشئے کی طرف مسلسل بھاگ رہا ہے۔ اور اپنے ساتھ نظام شمسی کے تمام کو بھی لے جا رہا ہے۔ اسی طرح تمام ستارے اپنی گردش کو قائم رکھتے ہوئے کسی نہ کسی طرف کو بھاگ رہے ہیں۔ کسی کے بھاگنے کی رفتار آٹھ میل فی سکنڈ ہے۔ کسی کی ۳۳ میل فی سکنڈ کسی کی ۸۴ میل فی سکنڈ اسی طرح تمام ستارے انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ دور بھاگے چلے جا رہے ہیں۔

یہ ساری حرکت حیرت انگیز طور پر نہایت تنظیم اور باقاعدگی کے ساتھ ہو رہی ہے۔ نہ ان میں باہم کوئی ٹکراؤ ہوتا۔ اور نہ رفتار میں کوئی فرق پڑتا۔ زمین کی حرکت سورج کے گرد حد درجہ منضبط ہے۔ اسی طرح اپنے محور کے اوپر اس کی گردش اتنی صحیح ہے کہ صدی کے اندر بھی اس میں ایک سکنڈ کا فرق نہیں آنے پاتا، زمین کا سیارہ جس کو چاند کہتے ہیں۔ اسکی گردش بھی پوری طرح مقرر ہے۔ اس میں جو تھوڑا سا فرق ہوتا ہے۔ وہ بھی ہر ۱۸/۲ سال کے بعد نہایت صحت کے ساتھ دہرا دیا جاتا ہے۔ یہی تمام اجرام سماوی کا حال ہے۔ حتیٰ کہ ماہرین فلکیات کے اندازے کے مطابق اکثر خلائی گردش کے دوران ایک پورا کہکشانی نظام جو اربوں متحرک ستاروں پر مشتمل ہوتا ہے۔ دوسرے کہکشانی نظام میں حرکت کرتا ہوا داخل ہوتا ہے۔ اور پھر اس سے نکل جاتا ہے۔ مگر باہم کسی قسم کا ٹکراؤ پیدا نہیں ہوتا۔۔۔ اس عظیم اور حیرت انگیز تنظیم کو دیکھ کر عقل کو اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ کہ یہ اپنے آپ نہیں قائم ہے۔ بلکہ کوئی غیر معمولی طاقت ہے جس نے اس اتھاہ نظام کو قائم رکھا ہے۔۔۔

(باقی آئندہ)